Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE
Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 10, No 02
April to June 2026
Page No: 138 -150

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2026.100251

HISTORY OF THE PAPER
Received on: April 13, 2026
Accepted on: May 27, 2026
Published on: June 30, 2026

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

A Historical Study of the Development of Urdu Language and Literature in Qatar

قطر میں اردو زبان و ادب کے فروغ کا تاریخی مطالعہ

AUTHOR(s)

Usama Munawar
PhD Scholar, Department of Urdu
The Imperial College of Business Studies

Dr Naseem Hanif
Assistant Professor, Department of Urdu
The Imperial College of Business Studies

ABSTRACT

This article traces the arrival, growth and social standing of the Urdu language in the Gulf state of Qatar. It begins with a brief review of the regional theories on the origin of Urdu, which associate it with Punjab, the Deccan and Sindh, to show that interaction between Muslims and local populations was central to the formation of the language. It then outlines the geographical, demographic and economic background of Qatar, with particular attention to the migration of South Asian workers that followed the discovery of oil and gas. The main part of the study examines the channels through which Urdu took root in Qatar: Pakistani and Indian community schools, literary organizations, mushairas and seminars, radio broadcasts, religious gatherings and books published locally. The study concludes that, although Urdu has no official status in Qatar, it has become an effective lingua franca among diverse expatriate communities, making Qatar the second most important centre of Urdu in the Gulf after Saudi Arabia.

KEY WORDS

Urdu language, Qatar, Doha, Gulf states, South Asian diaspora, new settlements of Urdu, literary organizations, mushaira

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

قطر میں اردو زبان و ادب کے فروغ کا تاریخی مطالعہ

اردو کی تشکیل صدیوں پر پھیلے تہذیبی اور ثقافتی تجربات کا نتیجہ ہے۔ فارسی، عربی، ترکی اور برصغیر کی مقامی بولیوں کے ملاپ سے وجود میں آنے والی اس زبان نے کثرت کو وحدت میں سمونے کی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ ہر زبان اپنی قوم کی اخلاقی قدروں، ذوقِ جمال، تخلیقی سرمائے، روحانی تجربات اور ثقافتی رجحانات کا نچوڑ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچاتی ہے، اور یہی عناصر آگے چل کر تہذیب کا روپ دھار کر اس قوم کی پہچان بن جاتے ہیں۔ ہر زبان کی اپنی ایک الگ تہذیب اور کلچر ہوتا ہے جو اس کی تخلیقی روایت سے جنم لیتا ہے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو اردو کی تہذیب داستان کے علامتی نظام سے اور اس کا کلچر غزل کی مخصوص علامتوں سے مرتب ہوا، جب کہ عقیدے اور عقیدت کو مرثیے نے زبان دی۔ چنانچہ داستان، غزل اور مرثیے کو اردو کی انفرادیت کے تین بنیادی ستون کہنا مبالغہ نہیں۔

زبانیں بھی قوموں اور تہذیبوں کی طرح اپنی ایک تاریخ رکھتی ہیں۔ یہ تاریخ بظاہر قوموں کی تاریخ کے تابع دکھائی دیتی ہے، مگر درحقیقت تہذیب و تمدن کے خدوخال بھی بڑی حد تک زبان ہی متعین کرتی ہے۔ اردو کی داستانِ ارتقا خاصی طویل ہے اور اس میں تاریخی انقلابات، تہذیبی تبدیلیوں اور تمدنی کروٹوں کے کئی سلسلے شامل ہیں۔ مختلف ادوار میں اسے دہلوی، دکنی، ہندوستانی، گوجری، لاہوری، ریختہ، ہندوی اور لشکری جیسے ناموں سے پکارا گیا۔ آج یہ زبان برصغیر کی سرحدوں سے نکل کر دنیا کے کئی خطوں میں بولی جاتی ہے، اور خلیجی ممالک ان نئی بستیوں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں پہلے اردو کے آغاز سے متعلق بنیادی نظریات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے، پھر قطر کے تاریخی و سماجی پس منظر کا تعارف کرایا گیا ہے، اور آخر میں اس ریاست میں اردو کے فروغ کے مختلف ذرائع کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اردو لسانیات کی تحقیق کا بنیادی ماخذ مخطوطات، قدیم مسودات اور قلمی بیاضیں ہیں، اور ماہرینِ لسانیات کے بیشتر نتائج انھی پر استوار ہیں۔ ان کے علاوہ آثارِ قدیمہ، کتب، سکوں، شاہی فرامین اور اسی نوعیت کے دیگر تاریخی شواہد سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ اردو کے آغاز کی بحث میں اکثر محققین کا رجحان اسے کسی ایک خطے سے جوڑنے کی طرف رہا ہے۔ اس سلسلے میں حافظ محمود شیرانی کا نظریہ "پنجاب میں اردو"، نصیر الدین ہاشمی کا نظریہ "دکن میں اردو" اور سید سلیمان ندوی کا "نقوشِ سلیمانی" میں پیش کردہ نظریہ "سندھ میں اردو" سب سے زیادہ معروف ہیں۔ دوسری جانب کچھ ماہرین نے اردو کا رشتہ کسی مخصوص بولی سے جوڑا ہے؛ مثلاً مولانا محمد حسین آزاد اسے برج بھاشا سے، ڈاکٹر شوکت سبزواری قدیم ویدک بولی سے، ڈاکٹر مسعود حسین خان ہریانوی سے اور عین الحق فرید کوٹی دراوڑی سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی کا نظریہ لسانی مباحث میں ایک مستقل حوالے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ان کے نزدیک اردو کی ابتدا کو اکبر یا شاہجہاں کے دربار اور لشکر گاہوں سے منسوب کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ زبان اس دور سے کہیں پرانی ہے اور اس کا سراغ اسی زمانے سے لگانا ہو گا جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوئے۔ شیرانی کے مطابق اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کے ساتھ وہاں پہنچی۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مسلمان پنجاب سے دہلی گئے تھے، اس لیے لازماً وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔ غزنوی عہد کے طویل دور میں انھوں نے سرکاری، تجارتی اور سماجی ضرورتوں کے تحت پنجاب میں ایک مقامی زبان اپنالی تھی، جسے غوری عہد میں دارالحکومت کی لاہور سے دہلی منتقلی کے ساتھ فوجیں اور دوسرے پیشہ ور اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ وہاں برج اور دیگر زبانوں سے مسلسل میل جول کے باعث یہ زبان رفتہ رفتہ بدلتی رہی اور بالآخر اردو کی صورت میں ڈھل گئی۔ بعد کے ادوار میں بھی سیاسی اسباب اس تعلق کو تازہ کرتے رہے، کیونکہ تغلق، سید اور لودھی خاندان پنجاب ہی سے اٹھ کر دہلی پہنچے تھے اور ان کا دہلی کی زبان پر اثر انداز ہونا فطری تھا۔ شیرانی لکھتے ہیں:

> "جب ہم اردو اور پنجابی زبانوں کی صرف و نحو، ان کے قواعد اور عام حیثیت کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ اثر قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے اور دونوں زبانوں کی مماثلت کا راز صریح طور پر آشکار ہو جاتا ہے۔ پنجابی اور اردو اپنی صرف و نحو میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔"(1)

شیرانی کے بقول اردو اور پنجابی کا ڈھانچہ ایک ہی نقشے پر تیار ہوا ہے۔ تذکیر و تانیث، جمع اور افعال کی گردان میں دونوں کی یکسانی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دونوں زبانوں کی جائے پیدائش ایک ہی ہے؛ انھوں نے ایک ہی ماحول میں پرورش پائی اور جوان ہونے پر الگ الگ راہوں پر چل پڑیں۔ یہی سبب ہے کہ قدیم اردو پر پنجابی لہجے کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ گویا شیرانی کے نزدیک غزنوی، غوری، تغلق اور سید حکمران پنجاب کے راستے دہلی پہنچتے ہوئے جو زبان ساتھ لائے وہ پنجابی کے زیرِ اثر تھی، اور دہلی میں دوسری زبانوں سے اس کے امتزاج نے اردو کو جنم دیا۔

نصیر الدین ہاشمی "دکن میں اردو" کے مقدمے میں ایسے لسانی شواہد پیش کرتے ہیں جن سے دکن میں اردو کی ابتدا اور اس کے تخلیقی مراحل کا تعین ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ محمد بن قاسم کی سندھ آمد اور محمود غزنوی کے پنجاب پر حملوں سے بہت پہلے عربوں کے دکن سے تجارتی روابط قائم ہو چکے تھے۔ ان روابط سے پیدا ہونے والے تہذیبی، تمدنی اور لسانی اثرات کا اپنا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ جنوبی ہند کی سماجی زندگی میں قدم جما لینے کے بعد مسلمانوں نے تبلیغِ دین کا سلسلہ بھی شروع کیا، جس کی دو صورتیں تھیں: ایک مقامی سطح پر سماجی تعلقات اور رشتوں ناتوں کے ذریعے، جس میں دین کا فہم رکھنے والے افراد نے بھی فعال کردار ادا کیا، اور دوسری صوفیائے کرام کی کاوشوں کے ذریعے۔ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت بادشاہوں سے زیادہ صوفیا کی شخصی کشش، وسعتِ نظر، دین سے محبت، فقر و استغنا اور علم و فضل کی مرہونِ منت ہے۔ یہ بزرگ دکن اور بنگال تک پہنچے، اپنے حسنِ اخلاق کو اسلام کا عملی نمونہ بنا کر پیش کیا اور مقامی لوگوں سے انھی کی زبان میں بات کرنے کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں، کتابوں، منظومات اور ملفوظات میں آج کے ماہرینِ لسانیات کے لیے قیمتی سرمایہ محفوظ ہے۔ اس میل جول میں الفاظ کا لین دین ناگزیر تھا، چنانچہ جب جنوبی ہند کی زندگی کے مختلف شعبے متاثر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ہوئے تو مقامی زبانوں میں عربی و فارسی الفاظ بھی گھلنے ملنے لگے۔ یہی وہ تاریخی، سماجی اور دینی فضا تھی جس میں دکن کی سرزمین پر اردو کا بیج بویا گیا اور آگے چل کر اس سے اعلیٰ تخلیقات کی فصل اگی۔

سید سلیمان ندوی نے "نقوشِ سلیمانی" میں اردو کے آغاز کو برصغیر میں مسلمان فاتحین، بالخصوص محمد بن قاسم کی فتحِ سندھ، سے منسلک کیا ہے۔ سندھ کی تہذیبی اور لسانی تاریخ خود بہت قدیم ہے؛ موہنجو داڑو کے آثار، بابل و نینوا سے تجارتی روابط اور آریاؤں سے شکست کھا کر یہاں آباد ہونے والے دراوڑی گروہ اس کی گواہی دیتے ہیں، اور مکرانی لوگ اور براہوی زبان انھی کی یادگار سمجھے جاتے ہیں۔ سندھ کی حدود مختلف زمانوں میں بدلتی رہیں؛ راجہ داہر کے عہد میں، جب عربوں نے حملہ کیا، یہ شمال میں کشمیر کے نشیبی اضلاع اور کوہِ کابل تک، شمال مغرب میں دریائے ہلمند تک، جنوب میں بحیرۂ عرب تک اور جنوب مشرق میں خلیجِ کچھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ عربوں اور سندھ کے تعلقات بھی خاصے پرانے ہیں، اور ایرانی بادشاہ بھی ایک عرصے تک بلوچستان اور سندھ پر حکمران رہے۔ محمد بن قاسم تین برس سندھ میں رہا اور معاصر شہادتوں کے مطابق ایک روادار اور غیر متعصب حکمران ثابت ہوا؛ مقامی آبادی اس سے اس قدر متاثر تھی کہ اس کی رخصتی کے بعد اہلِ سندھ نے اس کا بت بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا۔ اس دوران عربوں کی بڑی تعداد سندھ میں آباد ہو گئی؛ مقامی آبادی سے رشتے ناتے، روزمرہ میل جول، تجارت اور تبلیغ نے جہاں تمدن کو بدلا، وہاں مقامی بولی اور عربی کے ملاپ سے لسانی صورتِ حال بھی متاثر ہوئی۔ یورپی حکمرانوں کے برعکس مسلمان فاتحین کا عمومی رویہ یہ رہا کہ وہ مفتوح علاقوں کی تہذیب اور زبان کو مٹانے کے بجائے اپنی تہذیب اور عربی زبان کی آمیزش سے ایک مشترکہ تہذیب اور زبان کی بنیاد رکھتے رہے، جس کی مثالیں ایران، مصر، اندلس اور ہندوستان میں ملتی ہیں۔ انھی شواہد کی بنا پر سید سلیمان ندوی نے وادیٔ سندھ کو ہماری مشترکہ زبان کا اولین گہوارہ قرار دیا اور عرب و ہند کے لسانی روابط کے تاریخی ثبوت جمع کر کے یہ نتیجہ نکالا:

> "مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچتے ہیں اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اس وادی سندھ میں تیار ہوا ہو گا۔"(2)

ان تینوں نظریات کا موازنہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو کی تشکیل میں مسلمان فاتحین، مبلغین، صوفیا، تاجروں اور زندگی کے دیگر شعبوں سے وابستہ مسلمانوں کا بنیادی کردار رہا۔ شیرانی، ہاشمی اور ندوی کے نظریات میں کئی اختلافات کے باوجود اس نکتے پر سب متفق ہیں کہ اردو مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے اختلاط کا ثمر ہے۔ ان کے علاوہ آزاد کا برج بھاشا والا نظریہ، مسعود حسین خان کا ہریانوی والا نظریہ، شوکت سبزواری کا قدیم ویدک بولیوں والا نظریہ، سہیل بخاری کا مہاراشٹری والا نظریہ اور عین الحق فرید کوٹی کا دراوڑی والا نظریہ بھی کسی نہ کسی حد تک انھی تینوں محققین کے زیرِ اثر نظر آتے ہیں۔ بالخصوص شیرانی اور ہاشمی کی تحقیقات کے اثرات اس قدر وسیع ہوئے کہ اردو کو کسی صوبے، خطے بلکہ کسی شہر تک سے منسوب کرنے کا جو رجحان آج دکھائی دیتا ہے وہ انھی بزرگوں کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اس پس منظر کو بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اردو کی تعمیر اور فروغ میں مسلمانوں کا کردار مرکزی رہا ہے؛ برصغیر میں اس کا بیج مسلمانوں اور مقامی آبادی کے اشتراک سے بویا گیا اور اسے تناور درخت بنانے میں بھی مسلمان پیش پیش رہے۔ آج اردو پاکستان کی قومی زبان ہے اور اس کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا کی مقامی زبانوں کے ساتھ عربی، فارسی اور کئی دوسری زبانوں کا رس اپنے اندر سمو کر اس نے ایسی فطری صورت اختیار کر لی ہے کہ دوسری زبانیں بولنے والے بھی اس میں اپنائیت محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں اسے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں، اور اخذ و جذب کی یہی غیر معمولی قوت ہے جس نے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے محبانِ اردو کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔

جزیرہ نما قطر کوئی گمنام یا غیر آباد خطہ نہیں رہا۔ تاریخی شواہد کے مطابق یہاں لگ بھگ پانچ ہزار برس پہلے بھی انسانی آبادی موجود تھی، اور مختلف ادوار میں یہ علاقہ "کتارا" اور "قطر" جیسے ناموں سے جانا جاتا رہا۔ یہ ایک آزاد ریاست ہے جو تین اطراف سے سمندر میں گھری ہوئی ہے، جب کہ چوتھی جانب سعودی عرب کے ساتھ اس کی تقریباً ساٹھ کلومیٹر طویل سرحد ہے۔ اس کا کل رقبہ 11,589 مربع کلومیٹر ہے اور جزیرہ العالیہ، جزیرہ حالول، الجزیرۃ السافلیہ، جزیرہ شراعوہ اور جزیرہ الیشاریہ جیسے جزائر بھی اس میں شامل ہیں۔ ملک کی شکل بیضوی ہے؛ درمیان سے کشادہ اور کناروں سے قدرے تنگ۔ اس کی سب سے زیادہ چوڑائی مشرقی ساحل پر واقع دوحہ سے مغربی ساحل پر واقع دخان تک تقریباً سو کلومیٹر ہے، جب کہ شمال میں مدینۃ الشمال اور جنوب میں ابو سمرہ واقع ہیں۔

2017ء کی ایک رپورٹ کے مطابق قطر کی کل آبادی تقریباً 2.6 ملین یعنی چھبیس لاکھ تھی، جس میں سے صرف تین لاکھ تیرہ ہزار کے قریب قطری شہری تھے اور باقی تئیس لاکھ وہ غیر عرب باشندے تھے جو روزگار کے سلسلے میں یہاں آ بسے۔ ان میں سب سے بڑی تعداد ہندوستانیوں کی تھی جو ساڑھے چھ لاکھ کے لگ بھگ تھے۔ نیپالی تقریباً ساڑھے تین لاکھ، بنگلہ دیشی تین لاکھ، فلپائنی دو لاکھ ساٹھ ہزار، مصری دو لاکھ، سری لنکن ڈیڑھ لاکھ اور پاکستانی سوا لاکھ کے قریب تھے، جب کہ یورپ اور امریکہ سے آنے والوں کی تعداد میں بھی حالیہ برسوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ چونکہ قطر کی تقریباً ساٹھ فیصد آبادی ہندوستان، پاکستان، سری لنکا، نیپال اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے یہاں عوامی رابطے کی زبان کے طور پر اردو کی حیثیت نمایاں ہے۔ سرکاری زبان عربی ہے، انگریزی دوسری بڑی رابطے کی اور تجارتی زبان ہے، اور ان کے علاوہ ہندی، بنگالی اور فلپائنی بھی بڑی تعداد میں بولی جاتی ہیں۔

قطر پر آلِ ثانی خاندان کی حکومت ہے اور امیر شیخ تمیم بن حمد آل ثانی کی قیادت میں اس اسلامی روایات کی امین ریاست نے زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ رشک ترقی کی ہے۔ امیر ہی ملک کا آئینی اور قانونی سربراہ ہے اور بیشتر اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ ملک میں پینتالیس (45) ارکان پر مشتمل مجلسِ شوریٰ بھی قائم ہے جو قانون سازی میں حصہ لیتی ہے، تاہم اس کے اختیارات محدود ہیں اور آئینی و قانونی معاملات میں فیصلہ کن حیثیت امیر کو حاصل ہے۔ آبادی کا تقریباً اڑسٹھ فیصد مسلمان، پندرہ فیصد ہندو، چودہ فیصد عیسائی اور تین فیصد بدھ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مت کے پیروکار ہیں، اور ملک میں اسلامی شریعت کو قانون کا بنیادی ماخذ مانا جاتا ہے۔ نمایاں شہروں میں دوحہ، الخور، دخان، الوکرہ، الشحانیہ، مسیعید اور راس لفان شامل ہیں۔ دارالحکومت دوحہ، جس کے لغوی معنی "گھنا درخت" یا "باغ" ہیں، آبادی کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں قدیم اور جدید طرزِ زندگی کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے؛ بلند و بالا عمارتیں، پارک، عالمی معیار کے ہوٹل اور جدید زندگی کی تمام سہولتیں میسر ہیں، اور یہ شہر گزشتہ پانچ دہائیوں سے مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ اپنی ترقی، خوشحالی اور محلِ وقوع کے لحاظ سے قطر خلیجی ممالک میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

قطر کی معاشی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور تیل کی دریافت سے پہلے کا ہے، جو ہزاروں برس پر محیط ہے۔ اس زمانے میں آبادی چند قبائل پر مشتمل تھی جو قدرتی وسائل کی شدید کمی کے باعث نہایت تنگی کی زندگی گزارتے تھے۔ زراعت نہ ہونے کے برابر تھی اور ہر طرف ریت کے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے، اس لیے لوگوں کا سب سے بڑا سہارا سمندر تھا، جس کے راستے وہ دوسرے ملکوں سے تجارت کرتے تھے۔ ساحلی قبائل ماہی گیری اور سمندر سے موتی نکالنے پر گزر بسر کرتے تھے اور یہی موتی ان کی تجارت کا سب سے بڑا ذریعہ تھے، جب کہ صحرا نشین خانہ بدوش قبائل کھجور کی پیداوار اور اونٹ، گھوڑے اور بکریاں پال کر ان کی تجارت سے روزی کماتے تھے۔ اسی لیے قطر زمانۂ قدیم سے اعلیٰ نسل کے اونٹوں، گھوڑوں اور کھجوروں کے لیے مشہور رہا۔ محدود وسائل کے باوجود یہاں کے باشندوں نے سخت قدرتی حالات کا مقابلہ کیا اور بالآخر اس خطے کی تقدیر بدل کر اسے ایک خوشحال معاشرے میں ڈھال دیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں آلِ ثانی کی حکومت قائم ہوئی اور اس خاندان کے دوسرے حکمران شیخ قاسم بن محمد کے دور میں یہاں اسلحے کی تجارت شروع ہوئی۔ خلیج کے دوسرے ممالک بھی اس تجارت میں شریک ہوئے اور 1880ء تک عمان اس کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اس صورتِ حال پر تشویش کے باعث برطانیہ نے بحرین، کویت اور عمان سے معاہدے کر کے وہاں اس تجارت پر پابندی لگا دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قطر اسلحے کا بڑا مرکز بن گیا۔ اس وقت قطر سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ اثر تھا، اس لیے برطانیہ نے سیاسی حکمتِ عملی کے ذریعے اسے عثمانیوں سے الگ کیا اور 1916ء میں قطر سے معاہدہ کر کے یہاں بھی اسلحے کی تجارت بند کرا دی۔ یوں قطر کا پہلا معاشی دور اختتام کو پہنچا۔

دوسرا دور تیل کی دریافت سے شروع ہوا۔ 1939ء میں دخان کے مقام پر تیل دریافت ہوا اور دوسری عالمی جنگ کے باعث کچھ تاخیر کے بعد 1949ء میں اس کی برآمد شروع ہوئی۔ تیل صاف کرنے کے کارخانے لگے اور اس کی آمدنی سے ملک میں خوشحالی آئی اور بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ پرانی بستیوں کی جگہ جدید عمارتیں، سڑکیں، فلائی اوور، اسکول، ہسپتال، یونیورسٹیاں، اسٹیڈیم، سرکاری دفاتر، بندرگاہیں، ہوائی اڈے، تجارتی مراکز اور بین الاقوامی معیار کے ہوٹل تعمیر ہونے لگے۔ ان منصوبوں کے لیے بیرونِ ملک سے ماہرینِ تعمیرات اور مزدور بلائے گئے، جن کی آمد نے قطری معاشرے کے رہن سہن، عادات، اقدار، لباس، کھانے پینے، علوم و فنون، زبان اور رسوم و رواج پر گہرے اثرات مرتب کیے، اور یوں قدیم و جدید کے امتزاج سے ایک مخلوط معاشرہ وجود میں آیا۔ تیسرا دور قدرتی گیس کی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

دریافت سے شروع ہوا، جب 1971ء میں شمالی ساحل کے قریب سمندر میں دنیا کے سب سے بڑے گیس ذخائر میں سے ایک دریافت ہوا، جس کی صنعتی سرگرمیوں کا مرکز راس لفان ہے۔ اس سے پہلے معیشت کا دار و مدار تیل پر تھا، جو اعلیٰ معیار کا ہے اور جس کے بڑے ذخائر دخان، راس لفان اور مسیعید کے علاقوں میں ہیں، جب کہ جزیرہ حالول سمندری تیل کی پیداوار کا اہم مرکز ہے۔ تیل اور گیس کی بیشتر کمپنیوں کے صدر دفاتر دوحہ میں ہیں۔ اسی دولت نے قطر کو دنیا کے اہم ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا۔ قطر 2019ء تک تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم اوپیک (OPEC) کا رکن رہا، اور خلیج تعاون کونسل، اقوامِ متحدہ، یونیسکو اور دیگر عالمی اداروں کا بھی رکن ہے۔

قطر میں اردو کی سرگرمیاں تقسیمِ ہند کے آس پاس اس وقت شروع ہوئیں جب برصغیر سے لوگ روزگار کی تلاش میں یہاں آنے لگے۔ پاکستانیوں کی باقاعدہ آمد 1952ء میں شروع ہوئی اور 1958ء کے بعد ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ پاکستان اور ہندوستان سے آنے والوں کی تعداد جوں جوں بڑھی، مقامی باشندوں اور دیگر قومیتوں بالخصوص ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد بھی اردو سمجھنے اور بولنے لگی، یہاں تک کہ آج غیر سرکاری زبانوں میں اردو سب سے آگے ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

> "قطر کے دارالحکومت دوحہ میں اردو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ دکانوں پر عربی اور انگریزی کے ساتھ اردو میں لکھے ہوئے سائن بورڈ، بنکوں، پارکوں، ہسپتالوں میں اردو میں لکھے ہوئے تختہ ہائے اعلانات... اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ قطر خلیجی ممالک میں اردو کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں سرکاری سطح پر اولیت عربی کو دی جاتی ہے کہ اس ملک کی قومی زبان ہے۔ دوسرے درجے پر انگریزی آتی ہے... اور تیسری پوزیشن اردو کو حاصل ہے کہ اس کے سمجھنے اور بولنے والوں کی تعداد دوسری زبانوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔"(3)

عام قطری معاشرے میں اردو کے اثرات جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، افغانستان اور خلیجی ریاستوں کے لوگ آپس کی ملاقاتوں میں اکثر اردو ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ خلیجی خطے میں اردو کی ترویج کا سہرا پاک و ہند کے کمیونٹی اسکولوں، ٹی وی چینلوں کی اردو سیریز، عالمی مشاعروں، اردو ایوارڈز، سیمیناروں اور دیگر علمی، ادبی و ثقافتی تقریبات کے منتظمین کے سر ہے۔ اردو محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک ادب اور ایک تہذیب بھی ہے، اس لیے تارکینِ وطن اپنے ساتھ اردو کا ادب اور تہذیب بھی لے آئے۔ انسان دیارِ غیر میں ہو تو اپنی زبان، ثقافت اور مذہب سے اس کا تعلق اور گہرا ہو جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے تارکینِ وطن نے ہر عرب ریاست میں ادبی و ثقافتی تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں، اور قطر میں اردو کے فروغ میں ان تنظیموں کا کردار کلیدی رہا ہے۔ اس تاریخی پس منظر کے بارے میں محمد ممتاز راشد لکھتے ہیں:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"قطر میں برصغیر کے محنت کشوں کی آمد کا سلسلہ تقسیمِ ہند کے فوراً بعد شروع ہوا۔...1940ء میں تیل کے ابتدائی ذخائر کی دریافت اور تعمیراتی کاموں کے آغاز کے ساتھ روزگار کے بہت سے مواقع میسر تھے اور یہی کشش ان محنت کشوں کو کھینچ لائی۔ قطر میں تجارت پیشہ کی نسبت ملازمت پیشہ افراد کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ قطر کے سخت قوانین ہیں۔"(4)

یوں تو قطر کے ہر شعبے میں پاکستانی محنت کش موجود ہیں، تاہم ان میں بڑی تعداد کم تعلیم یافتہ افراد کی ہے۔ رسمی تعلیم سے محرومی کے باوجود انھوں نے تعمیراتی شعبے میں اپنی محنت سے ایک منفرد پہچان بنائی ہے، اور یہاں ہیوی مشینری کی بیشتر کمپنیوں کے مالک پاکستانی پشتون ہیں۔ جدید مشینری کے عام ہونے سے پہلے یہی محنت کش صحرا کے سخت اور ناموافق حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ ان تارکینِ وطن کی سماجی و فلاحی تنظیمیں سالانہ چندہ جمع کر کے اپنے اراکین کو طبی امداد اور وفات کی صورت میں ان کے لواحقین کو مالی مدد فراہم کرتی ہیں۔

طویل قیام کے دوران ان محنت کشوں نے اپنے خاندانوں کی بنیادی ضرورتوں کی طرف توجہ دی، جن میں سب سے اہم بچوں کی تعلیم تھی۔ چنانچہ یہاں تعلیمی اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ وحید بخش غیاث اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

"1957ء میں یہاں پہلا نجی ادارہ "پاک شمع سکول" قائم ہوا جس کے بانی محمد صدیق مرحوم تھے۔...1969ء میں مہر و نیش خاں صدیقی کی نگرانی میں دوحہ جدید میں پاکستانی سکول قائم کیا گیا جہاں شام کی کلاسیں لگتی تھیں۔ سینکڑوں طلباء نے یہاں سے تحصیل علم کیا۔ تقریباً دس برس تک یہ ادارہ قائم رہا اور پھر اس کی جگہ 1982ء میں پاکستانی سفارت خانے کی انتظامیہ کے تحت قطر کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ "پاکستان ایجوکیشن سنٹر" (موجودہ: پاکستان انٹرنیشنل سکول) بنا۔"(5)

یہ ادارے بنیادی طور پر پاکستانی طلبہ کے لیے قائم کیے گئے تھے، اس لیے ان میں اردو میڈیم اور انگلش میڈیم کے الگ الگ شعبے بنائے گئے اور اردو کو لازمی مضمون کے طور پر نصاب میں شامل رکھا گیا۔ پاکستان انٹرنیشنل اسکول دوحہ کا اپنا مجلہ "سفینہ" بھی شائع ہوتا رہا، جو اب PRISM کے نام سے نکلتا ہے اور اس میں اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ قطر میں مقیم پاکستانی بھی اپنی ادبی تخلیقات شوق سے چھپواتے ہیں۔ 1981ء میں "پاکستان پبلک اسکول" قائم ہوا جو 1983ء میں پاکستان ایجوکیشن سنٹر میں ضم ہو گیا۔ اسی طرح 1986ء میں مسز حنا کی نگرانی میں "اینگلو پاک" کے نام سے ایک نجی ادارہ بنا جو ان کی رخصتی کے بعد اسی مرکز کا حصہ بن گیا۔ 1994ء میں قاضی محمد اصغر نے اپنے رفقا عباسی اور زیدی صاحب کے ساتھ مل کر "برائٹ فیوچر" کی بنیاد رکھی، جہاں طلبہ کی بڑی تعداد زیرِ تعلیم ہے۔ ہندوستانی اداروں میں "ایم ای ایس انڈین اسکول"، "آئیڈیل انڈین اسکول" اور "شانتی نکیتن" نمایاں ہیں، جہاں اردو لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ ان

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

تمام اداروں میں سال بھر اردو کی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں، اور یہاں پڑھنے والے دوسرے ممالک کے طلبہ بھی روانی سے اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ پاکستان ایجوکیشن سنٹر کے بارے میں ممتاز راشد لکھتے ہیں:

> "1982ء میں اس وقت کے سفیر جہاں زیب ارباب کی کوششوں سے حکومت قطر نے سکول کے لیے دوحہ سے نو کلومیٹر دور ایک وسیع قطعہ اراضی دیا۔ جس پر 1985ء میں سو سے زائد کمروں کا عظیم الشان کمپلیکس تعمیر ہوا۔ اپریل 1986ء میں اس ادارے کو پاکستان ایجوکیشن سنٹر کا نام دیا گیا۔ اس میں قریباً اڑھائی ہزار طلبا و طالبات اردو میڈیم میں اور تقریباً ڈیڑھ ہزار انگلش میڈیم میں پڑھتے ہیں۔ انگلش میڈیم حصے میں بھی اردو بہ طور لازمی مضمون شامل ہے۔... اس ادارے کے پاس ایک وسیع و عریض آڈیٹوریم بھی ہے جہاں پر ائیویٹ تنظیمیں بھی یومِ پاکستان، یومِ قائد، یومِ اقبال اور دیگر تقریبات منعقد کرواتی رہتی ہیں۔"(6)

خلیجی ممالک میں سعودی عرب کے بعد قطر اردو کا دوسرا بڑا مرکز ہے۔ اس چھوٹی سی ریاست میں پاک و ہند کے تعلیمی اداروں اور ادبا و شعرا نے اردو کے فروغ کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں، اور انھی کی مسلسل کوششوں سے اردو کی ترویج خلیج اور دوسرے براعظموں تک جاری ہے۔ غیر منقسم ہندوستان سے پاکستان پہنچنے والی یہ زبان وہاں سے خلیجی ممالک اور قطر تک جا پہنچی۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "قطر کی سرزمین پر اردو کا رواج ہندوستان کی تقسیم کے بعد شروع ہوا۔ ہندو پاک کے اردو شعرا و ادبا اپنے معاشی وسائل کے حصول کے لیے یہاں آئے اور آوت جاوت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں ادبی سرگرمیاں 1957ء کے آس پاس شروع ہوئیں۔ دوحہ قطر میں اردو مشاعروں کے 25 سال مکمل ہونے پر ایک جوبلی مشاعرہ بزم قطر نے منعقد کیا تھا۔..."(7)

تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ شعرا و ادبا کی قائم کردہ تنظیموں اور مشاعروں نے بھی یہاں اردو کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدا میں ایک عرصے تک مشاعرے گھروں میں منعقد ہوتے رہے، جو "بیتِ بشیر جعفری"، "بیتِ برخیا" اور "بیتِ ابو بکر فورمین" جیسے ناموں سے مشہور تھے۔ 1975ء میں "بزمِ اربابِ سخن" قائم ہوئی جس کے صدر برخیا اور سیکرٹری قاضی فراز تھے؛ اس نے گھریلو نشستوں کے علاوہ یومِ اقبال، یومِ غالب اور یومِ سیماب جیسی تقریبات منعقد کیں۔ اپریل 1979ء میں اس کی جگہ "بزمِ اردو قطر" نے لے لی، جس کے صدر ڈاکٹر عبدالقوی، نائب صدر برخیا، جنرل سیکرٹری قاضی فراز اور پریس سیکرٹری ممتاز راشد تھے۔ بشیر صحرائی، صبا شیخانی اور کیف بٹالوی اس کے دیگر نمایاں ارکان تھے، اور بعد میں قاضی اصغر، رشید نیاز، اصغر نقوی اور شمیم حیدر بھی اس سے وابستہ ہوئے۔ 1981ء میں بزم نے کئی شعرا کے اعزاز میں ادبی شامیں منائیں۔ ڈاکٹر فرتاش سید لکھتے ہیں:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"بزم (بزم اردو قطر) کے ماہانہ طرحی مشاعرے نوواردان شعر و ادب کے لیے تربیت گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بزم اردو قطر کے زیرِ اہتمام ہونے والے سالانہ ادبی سیمینارز نے بزم کو سنجیدہ حلقوں میں معتبر کیا۔ 1991ء میں "میر سیمینار" سے آغاز ہوا اور پھر "اقبال سیمینار" 1992ء میں، "غالب سیمینار" 1993ء، "افسانہ سیمینار" 1994ء، "امیر خسرو سیمینار" 1995ء اور "میر انیس سیمینار" 1996ء میں منعقد ہوا۔... ان سیمینارز میں عصرِ حاضر کے اہم اردو نقاد، محقق اور دانشور مدعو کیے گئے۔"(8)

"پاک یوتھ سوسائٹی قطر" 1981ء میں طاہر محمود چودھری کی صدارت میں قائم ہوئی اور اس نے پہلی بار منظم انداز میں ادبی و ثقافتی تقریبات کا اہتمام کیا۔ ممتاز راشد، قاضی محمد اصغر، رشید نیاز اور انعام راہی اس کے بانی ارکان میں شامل تھے۔ 1986ء میں محمد سلیمان، عبدالحئی اور باسط ہاشمی نے "انڈو قطر اردو مرکز" قائم کیا، جس نے اردو مباحثوں کے علاوہ کئی عالمی مشاعرے منعقد کیے جن میں ہر بار پاکستان اور ہندوستان سے دس بارہ شعرا مدعو ہوتے۔ یہ تنظیم 1994ء تک فعال رہی، مگر اسی سال مجلسِ فروغِ اردو ادب کے پہلے ادبی جشن "جشنِ محشر" کے بعد خاموش ہو گئی۔ جنوری 1990ء میں "پاکستان آرٹس سوسائٹی قطر" بنی، جس میں جون 1990ء میں "پاک کمیونٹی قطر" کو ضم کر دیا گیا۔ اس کے سرپرستِ اعلیٰ ایم اے شاہد، صدر شہزاد اسلم اور جنرل سیکرٹری عدیل اکبر تھے؛ شہزاد اسلم کے امریکہ منتقل ہونے کے بعد امجد علی صدر بنے۔ یہ تنظیم قومی موضوعات پر لیکچروں کا اہتمام کرتی ہے۔ اسی سال "پاک رائٹرز فورم" قائم ہوا جس کے چیئرمین وحید بخش غیاث، صدر رشید نیاز اور جنرل سیکرٹری خوشنود بخاری تھے۔ فورم نے 1992ء اور 1993ء میں دو کل پاکستان مشاعرے کرا کے شاندار آغاز کیا، لیکن رشید نیاز کے مستعفی ہونے کے بعد یہ ہمیشہ کے لیے غیر فعال ہو گیا۔

"مجلسِ فروغِ اردو" 1990ء میں قائم ہوئی اور بعد میں "مجلسِ فروغِ اردو ادب دوحہ قطر" کے نام سے معروف ہوئی۔ ملک مصیب الرحمٰن اس کے روحِ رواں اور محمد عتیق سرپرستِ اعلیٰ تھے، جب کہ ڈاکٹر زینت رضوی، خالد بشیر افغانی، اشفاق حسین، عبودین محفوظ، بیگم شمیم عتیق اور سرور حسین دیگر ارکان میں شامل تھے۔ مجلس کا پہلا پروگرام کراچی سے آئے ہوئے شاعر برخیا بوترابی کے اعزاز میں مشاعرہ تھا؛ پھر قطر میں مقیم نمایاں شعرا ڈاکٹر خلیل الرحمٰن راز، قاضی فراز احمد، محمد ممتاز راشد، باسط ہاشمی اور جلیل نظامی کے اعزاز میں ادبی جشن منائے گئے۔ نومبر 1994ء میں جشنِ مشتاق احمد یوسفی، اپریل 1995ء میں احمد فراز کے ساتھ ایک شام اور مئی 1995ء میں جشنِ کیفی منعقد ہوا جس میں بیس سے زیادہ شعرا شریک ہوئے۔ جنوری 1996ء میں مجلس نے دبئی میں اپنی شاخ قائم کی اور وہاں سلیم جعفری کے لیے جشنِ سپاس منایا۔ ان جشنوں کے موقع پر ضخیم مجلے شائع ہوتے اور ان کی ویڈیو کیسٹوں کی رونمائی بھی کی جاتی، جب کہ مجلس نے کئی کتابوں کی اشاعت میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مجلس کی ذیلی تنظیم "شائقینِ فن دوحہ" 1993ء میں بنی، جس کے سرپرستِ اعلیٰ محمد عتیق، چیف آرگنائزر ملک مصیب الرحمٰن، صدر خوشنود بخاری اور جنرل سیکرٹری فرتاش سید تھے۔ بعد میں 1999ء میں انعام راہی اور 2001ء میں محمد ظفر اقبال صدر بنے، جب کہ جاوید ہمایوں جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے؛ محمد ظفر اقبال کی پاکستان واپسی کے بعد جنوری 2003ء میں صدارت شوکت علی ناز کے سپرد ہوئی۔ فرتاش سید اس تنظیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "یہ تنظیم تواتر کے ساتھ یومِ پاکستان کے حوالے سے شاندار محفل موسیقی کا اہتمام کرتی رہی ہے۔ جس میں پاکستان سے کلاسیکل، نیم کلاسیکل، لوک گلوکار مدعو کیے جاتے تھے۔"(9)

1995ء میں محمد ممتاز راشد نے لاہور اور دوحہ سے سہ ماہی "خیال و فن" جاری کیا اور بعد میں "ادارہ خیال و فن" کے نام سے ایک ادبی تنظیم قائم کی، جس کے وہ خود صدر اور شوکت علی ناز جنرل سیکرٹری تھے؛ محمد یوسف، محمد قدیر اور محمد اقبال اس کے دیگر ارکان میں شامل ہیں۔ یہ تنظیم قومی تہواروں پر ملی مشاعروں اور بیت بازی کا اہتمام کرتی ہے۔ ستمبر 1998ء میں "پاسبانِ ادب دوحہ قطر" وجود میں آئی، جس کے سرپرستِ اعلیٰ چودھری نور الحسن تنویر، بانی صدر عبدالرزاق صدف، معتمدِ عمومی محمد حنیف عباسی اور سیکرٹری نشر و اشاعت زاہد شمیم وائیں ہیں؛ یہ بھی قومی دنوں کی مناسبت سے ادبی تقریبات منعقد کرتی ہے۔ 1993ء میں قائم ہونے والا "حلقۂ ادبِ اسلامی" ماہانہ ادبی محفلیں منعقد کرتا ہے اور فکرِ اقبال پر بھی کئی نشستیں کر چکا ہے۔ اپریل 1995ء میں اس نے ایک عالمی ادبی سیمینار کرایا جس میں شبنم سبحانی، عزیز بگھروی، میم نسیم، مائل خیر آبادی، اعجاز رحمانی، رحمٰن خاور اور ممتاز نقاد ڈاکٹر عبدالمغنی سمیت دس اہلِ قلم بیرونِ قطر سے شریک ہوئے، اور اسی موقع پر مجلہ "نوائے سحر" جاری کیا گیا۔ نومبر 1994ء میں صنعتی شہر ام سعید (مسیعید) میں "اربابِ قلم" قائم ہوئی، جس کے بانی صدر نور حسین شاہ اور جنرل سیکرٹری قائم علی غوری ہیں؛ اس کے تحت سہ ماہی ادبی نشستیں ہوتی ہیں۔ "پاکستان لٹریری کلب" نے فاطمہ حسن کی کتاب "دیوار پہ دستک" کی تقریبِ رونمائی کرائی جس کے مہمانِ خصوصی منیر نیازی تھے۔

قطر ریڈیو کی اردو سروس نے 1980ء میں روزانہ ایک گھنٹے کی نشریات شروع کیں، جو 1986ء میں ڈیڑھ گھنٹے اور 1989ء میں دو گھنٹے تک بڑھا دی گئیں۔ اس کے ابتدائی اناؤنسروں میں سیف الرحمٰن، بانو سلیمان اور محمود احمد شامل تھے، جب کہ عبدالرحمٰن ناصر، فرزانہ صفدر اور ثمینہ ریاض بعد میں اس سے وابستہ ہوئے۔ اسی زمانے میں قطر ٹی وی ہر ہفتے ایک ہندی / اردو فلم نشر کرتا تھا اور درجنوں ویڈیو دکانوں پر ہندی فلمیں اور پاکستانی ٹی وی و اسٹیج ڈرامے دستیاب تھے۔ دینی سطح پر بھی اردو کی موجودگی نمایاں ہے: کئی مساجد میں خطبہ اردو میں دیا جاتا ہے، تبلیغی جماعت کے ہفتہ وار بڑے اجتماع اور سعودی عرب کے مرکز دعوۃ و ارشاد کے اجتماعات میں اردو تقاریر ہوتی ہیں اور اردو میں دینی کتب فراہم کی جاتی ہیں۔ قطر کے محکمۂ شرعیہ نے بھی کئی اردو کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں۔ انگریزی روزنامہ گلف

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ٹائمز رمضان میں دینی مسائل پر ایک صفحہ اردو میں شائع کرتا رہا، اور اس کے نائب مدیر محمد ادریس اردو سرگرمیوں کی خبروں کو نمایاں جگہ دیتے رہے۔ اس کے علاوہ سال بھر پاک و ہند سے علما، شعرا، ادبا، گلوکار اور فن و ثقافت سے وابستہ شخصیات یہاں آکر پروگرام کرتی ہیں۔

قطر سے شائع ہونے والی ادبی کتابوں میں اولیت برخیا بوترابی کے شعری مجموعے "پھول اور آنسو" کو حاصل ہے جو فروری 1981ء میں منظرِ عام پر آیا؛ ان کے مذہبی کلام کا مجموعہ "پھول پھول آنسو" 1986ء میں چھپا۔ بزرگ شاعر اسلم میر کا مجموعہ "اپنی گلیوں میں اجنبی" جون 1982ء میں اور ممتاز راشد کی مرتبہ کتاب "صحرا میں ٹھنڈی شامیں" 1983ء میں شائع ہوئی، جب کہ غزلیات کا مجموعہ "کاوش" 1986ء میں سامنے آیا۔ فروری 1985ء میں قطر میں بھارتی سفیر سریندر لال ملک گمنام کا شعری مجموعہ "سنگم گنگا جمنا کا" چھپا، جس میں ہر تخلیق آمنے سامنے کے صفحات پر اردو اور ہندی رسم الخط میں دی گئی تھی۔ 1988ء میں قاضی عبداللہ کے سات افسانوں کا مجموعہ "نیا سورج" اور 1989ء میں محسن جامعی کی اقوالِ زریں اور منفرد واقعات پر مشتمل ضخیم کتاب "مرقع" شائع ہوئی۔ جنوری 1990ء میں افسانہ نگار شمیم حیدر کی مرتبہ "ریگ رنگ" میں قطر کے شعرا اور نثر نگاروں کی منتخب تحریریں یکجا کی گئیں، اور دسمبر 1990ء میں شاہد منیر اور محمد افضل کی مشترکہ شعری تصنیف "آئینۂ کرب" منظرِ عام پر آئی۔ مارچ 1991ء میں قاضی عبداللہ کا ناول "ڈیوڈ شاہ" اور اگست 1991ء میں وحید بخش غیاث کی کتاب "مقیاس" شائع ہوئی، جس کے پہلے حصے میں احباب کے تعارفی خاکے اور دوسرے میں ان کی نظمیں ہیں۔ اسی سال اکتوبر میں نور حسین شاہ کی کہانیوں کا مجموعہ "موردِ الزام آدم زادی" چھپا، اور 1992ء میں وحید بخش غیاث کا ضخیم مجلہ "سلور جوبلی" شائع ہوا جو قطر میں پچیس برس سے مقیم افراد کے تعارف پر مشتمل تھا۔

قطر میں سال بھر جاری رہنے والے مشاعرے اردو ادب کے فروغ کا ایک بڑا وسیلہ ہیں۔ عام معاشرے میں بھی اردو کے اثرات قدم قدم پر نظر آتے ہیں؛ کئی ایرانی اور عرب روانی سے اردو جملے بولتے ہیں، یہاں تک کہ عربوں کی عام بول چال میں بھی اردو کے کئی اسما مستقل جگہ بنا چکے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو خلیجی ممالک میں سعودی عرب کے بعد قطر وہ دوسرا ملک ہے جہاں اردو بولنے والوں کی سب سے بڑی تعداد آباد ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس کے نتیجے میں لاکھوں ہندوستانی، پاکستانی، ایرانی اور دیگر قومیتوں کے ملازمین، مزدور، تاجر اور مختلف علوم و فنون سے وابستہ افراد یہاں آ بسے، اور انھوں نے اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ ساتھ باہمی رابطے کے لیے جو مشترکہ زبان اپنائی وہ اردو تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی اداروں، ادبی سرگرمیوں، ریڈیو، اخبارات و رسائل، روزمرہ بول چال، لین دین، کاروبار اور صنعت و حرفت ہر جگہ اردو بولنے والوں کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ قطر کے تعلیمی اداروں، ادبی تنظیموں اور دیگر سرگرمیوں میں اردو کی پذیرائی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں غیر سرکاری زبانوں میں اسے نمایاں ترجیح حاصل ہے۔ ملازمین کی آپس کی گفتگو، اساتذہ اور

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

طلبہ کی تدریس و تفہیم، ادبا و شعرا کی تصنیفات اور مبلغین کی دینی کتب، سب نے مل کر اردو کو اس سرزمین پر مستحکم کیا۔ ہجرت کے ساتھ شروع ہونے والا فروغِ اردو کا یہ سفر آج بھی جاری ہے اور قطر کے کوچہ و بازار میں قدم قدم پر اردو بولنے والے موجود ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ محمود خاں شیرانی، حافظ، پنجاب میں اردو، مکتبہ معین الادب، لاہور، طبع چہارم، 1966ء، ص:84

2۔ سلیمان ندوی، سید، نقوش سلیمانی، مکتبہ شرق، لاہور، 1997ء، ص:259

3۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، قطر میں اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء، ص:34

4۔ محمد ممتاز راشد، قطر میں اردو، مشمولہ: بیرونی ممالک میں اردو، مرتبہ، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، مقتدرہ قومی زبان، 1996ء، ص:197

5۔ وحید بخش غیاث، مقیاس، الغیاث پبلشرز، ماڈل ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان، 1991ء، ص:45

6۔ محمد ممتاز راشد، قطر میں اردو، ص198

7۔ گوپی چند نارنگ، اردو کی نئی بستیاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2005ء، ص:442

8۔ فرتاش سید، ڈاکٹر، مجلس فروغ اردو ادب (دوحہ-قطر) کی ادبی خدمات، شرکت پریس، لاہور، 2009ء، ص44

9۔ ایضاً، ص:45